اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ
از
مولانا مقبول احمد سیوہاروی
ناشر
جمعیۃ بک ڈپو گلی قاسم جان دہلی ۶

دینی تعلیم و تربیت کا رسالہ

۱۸

قاسم العلوم والخیرات حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتوی رح

از

مولانا مقبول احمد صاحب سیوہاروی

ناشر
الجمعیۃ بکڈپو دہلی

قیمت
۶۵ نئے پیسے

مطبوعہ
الجمعیۃ پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

ہندوستان میں ایک مدرسہ ایسا بھی ہے۔ جس میں دور دور سے سال کے سال آدمی آتے ہیں، اور دین کا علم پڑھتے ہیں مذہب کی باتیں سیکھتے ہیں۔ انھیں بتایا جاتا ہے کہ خدا ہی سب کا پالنے والا ہے، چھوٹے کا اور بڑے کا بھی، کھوٹے کا اور کھرے کا بھی، جو اچھے کام کرتا ہے۔ وہ بھی خدا کا بندہ ہے۔ اور جو بُرے کام کرتا ہے وہ بھی خدا کی مخلوق ہے۔

آسمان اللہ نے بنائے ہیں، زمین اللہ نے پھیلائی ہے۔ چاند اللہ نے چمکایا ہے، سورج اللہ نے دمکایا ہے۔ بڑے بڑے سمندر جن میں جہاز چلتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے دریا، تالاب چشمے بھی اللہ نے بنائے ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑ بھی۔ جنھیں زمین پر جمایا ہے۔ اللہ کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔

جن باتوں سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جن سے ناخوش ہوتا ہے

وہ سب باتیں بتائی جاتی ہیں۔

انسان کو کیا کام کرنے چاہئیں۔ اور کن کاموں سے بچنا چاہئے۔ اس کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ میں جو بھی آتا ہے۔ سادہ کھانا کھاتا ہے اور سادہ لباس پہنتا ہے۔ اور اس میں جتنے استاد اور پڑھانے والے ہیں وہ بھی سادہ لباس پہنتے ہیں اور سادہ غذا کھاتے ہیں۔

یہاں شیخی اور گھمنڈ کسی کو نہیں سکھائی جاتی۔ اور جب کو[ئی] پڑھ کر واپس جاتا ہے۔ تب بھی سادہ زندگی رکھتا ہے۔ ایسا لباس نہیں پہنتا جس کی تیاری میں سیکڑوں روپیہ خرچ ہوں او[ر] آرام نہ ملے۔

اسے سکھایا جاتا ہے کہ گھمنڈ اور غرور خوبی کی بات نہیں ہے۔ انسانیت اسی کا نام ہے کہ سب سے محبت سے پیش آئے، سب کی برابر اپنے کو سمجھے، سب کے کام آ[ئے] کسی کا دشمن نہ بنے۔ کسی کو دکھ نہ دے، گالی نہ دے، ا[ور] برا نہ کہے۔

بڑے بڑے اوتار اور پیغمبروں نے بھی یہی سکھایا۔ ا[ور] اور اس مدرسہ میں بھی یہی سکھایا جاتا ہے۔

اس مدرسہ کے پڑھانے والے پیغمبروں کے شاگر[د] ہیں۔ اللہ کے رسولوں کے شاگرد ہیں۔ تم کہو گے کیسے

لیے کہ پیغمبروں نے اپنے ساتھ والوں کو جو کچھ سکھایا، پھر ان ساتھ والوں نے دوسروں کو سکھایا۔ پھر شاگردوں نے دوسروں کو شاگرد بنایا ہے۔ اور اسی طرح یہ تعلیم آگے بڑھتی رہی ہے تو یہ وہی تعلیم ہے جو اس مدرسہ تک پہنچی ہے۔ اس مدرسہ والے جب بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیام اور باتیں سناتے ہیں، اور جب بھی رسول اللہ کے کام سکھاتے ہیں بتا دیتے ہیں۔ کہ انھیں کس نے سکھایا۔ اور جس نے ہمیں سکھایا اُس نے کس سے سیکھا ہے۔ اور اس سلسلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کر دیتے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ یہ رسول اللہ کے شاگرد ہو گئے کہ نہیں، پیام سناتے وقت یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ پیام جوں کا توں ہے یا لفظوں میں الٹ پھیر ہو گیا ہے۔ اُلٹ پھیر ہوا ہے تو کیوں ہوا ہے۔

اللہ نے اس دنیا میں اچھے اچھے انسانوں کو یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ یہ ہمارے رسول ہیں۔ ہم نے انھیں بھیجا ہے۔ تاکہ جو انسان راستہ سے بھٹک گئے ہیں انھیں راستہ بتائیں۔ یہ رسول سب انسانوں سے پیار کرتے تھے۔ سب کو اپنا پیام سناتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سب انسان اچھے اور نیک بن جائیں۔ اور ساری دنیا بس خدا کو پوجنے لگے! ایک خدا کو۔!!

اسی سے دعائیں مانگے، اُسی کا نام لے، اُسی کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرے۔

یہ زمین، یہ ملک، یہ بڑے بڑے شہر فقط ہندوستان میں نہ تھے۔ عرب میں، مصر میں، افریقہ میں، ایران میں اور نہ جانے کہاں کہاں تھے۔ خدا نے ان سب ملکوں میں اپنے رسول بھیجے۔ ان ہی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، جو عرب میں پیدا ہوئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا والوں کو سب باتیں سکھا دیں اور جب محمد رسول اللہ دنیا سے جانے لگے۔ تو ایک ایسے مجمع میں جس میں ہزاروں آدمی ان کی باتیں سن رہے تھے۔ اپنا یہ پیغام سنایا۔

"کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، عرب کے ہوں یا ہندوستان کے افغانی ہوں یا ایرانی سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اور سب کے باپ آدم، مٹی سے بنے تھے۔"

ذرا سوچو۔! یہ کیا تعلیم تھی، کسی کو کسی پر برتری نہیں، کوئی کسی سے بڑا نہیں۔

اگر کوئی جوتے بناتا ہے، موچی ہے جسے چمار بھی کہتے ہیں۔ جوتوں کو درست کرتا ہے۔ تو وہ بھی آدم کا بیٹا اور خدا کا بندہ

ہے۔ بڑھئی کا کام کرنے والا بھی آدم کی اولاد ہے۔ اور لوہے کو ہتوڑے سے پیٹنے والا بھی انسان کی اولاد ہے۔ جس نے درزی کا کام سیکھا ہے۔ اور جس نے سر مونڈنے اور بال کاٹنے کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ بغل میں کسوت دبائے پھرتا ہے وہ بھی آدم کی اولاد ہے۔ جس طرح بادشاہ کی پیدائش ہوتی ہے ایسے ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔ اور جس طرح فوج کا جرنیل پیدا ہوتا ہے۔ ویسے ہی یہ پیدا ہوا ہے۔

ہاتھ پاؤں آنکھ اور ناک اس کے بھی ہے اور وزیروں بادشاہوں کے بھی ہے۔ جس طرح بادشاہ مرے گا یہ بھی مر جائے گا۔ زمین پر یہ بھی چلے گا۔ بادشاہ بھی چلے گا۔

اللہ کے رسول نے کہا تھا کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ سب ایک باپ کی نسل سے ہیں اور سب خدا کے بندے ہیں۔

ایک ہنسی کی بات سنو! کسی بھنگی کا لڑکا دریا میں ڈوبنے لگا تو غل مچا کر کہنے لگا۔

"دوڑو نبی کا بیٹا ڈوبا جارہا ہے۔"

کنارہ پر ایک تیراک کھڑا تھا۔ اس نے کہا اچھا جی یہ بھنگی کا بچہ اور نبی زادہ، غصہ میں بھر کر دریا میں کود پڑا، اور بھنگی کے بیٹے کے بال پکڑ کر کنارے پر کھینچ لایا۔ اور

مارنے لگا۔

کیوں بے بھنگی کے بچے کیا بک رہا تھا۔؟

بھنگی کے بیٹے نے کہا کیا بک رہا تھا۔؟ کیا میں آدمؑ کی اولاد نہیں ہوں؟ کیا آدم نبی نہ تھے؟ ــــ تم نے سُنا! اور سمجھا!! اونچ نیچ ہم نے بنائی ہے، ذات پات کے بندھن ہم نے باندھے ہیں۔ پیشے اور زندگی گزارنے کے کرتب ہم نے سیکھے ہیں۔ جس پیشے کو ہم چاہتے ہیں گھٹیا بتا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں بڑھیا کہہ دیتے ہیں۔ خدا نے نہ کسی کی قیمت گھٹائی ہے نہ بڑھائی ہے۔ خدا تو اُس کی قیمت بڑھاتا ہے جس نے اچھے کام کئے ہیں بُرائی سے بچا ہے۔ خدا کے ہاں اس کی قیمت بڑھے گی، جس نے کسی پر ظلم نہ کیا ہو، کسی کو دُکھ نہ دیا ہو۔ خدا اس کو پیار کرتا ہے۔ جو انسانی برادری کو اچھی اچھی باتیں سکھاتا اور بتاتا ہو۔ خدا تو اُسی کو بُرا کہتا ہے جس نے بُرے کام کئے ہوں۔ خدا کے ہاں تو نہ کسی کی ذات پات پوچھی جائے گی نہ کسی کی کوٹھیاں اور بنگلے دیکھے جائیں گے۔

محمد رسول اللہ نے اپنے پیغام میں بتایا کسی کا خون نہ بہاؤ، کسی کو ستاؤ نہیں، کسی سے دشمنی نہ رکھو۔

پھر فرمایا۔ جو کچھ خدا نے مجھے سکھایا اور بتایا میں نے تم سب کو بتا اور سکھا دیا۔ اب تم سب کو سکھاؤ اور بتاؤ۔

جو یہاں موجود ہیں انھیں بھی، اور جو یہاں نہیں ہیں انھیں بھی۔

رسول اللہ کا پیام رسول اللہ کے ساتھیوں نے سب کو پہنچایا۔ پھر اُن سے اوروں نے سُنا۔ ایران والوں نے مصر والوں نے، افریقہ والوں نے کابل اور ہندستان والوں نے۔

پیام سنانے والوں نے سمندروں سے گذر کر، پہاڑوں سے اُتر کر، جنگل اور ویرانوں میں ہو کر، ملکوں اور بستیوں میں پھر کر چھوٹی اور بڑی بستیوں میں ایک نہیں دو نہیں، سیکڑوں، ہزاروں شاگرد بنائے۔ جہاں گئے رسول اللہ کا پیغام سنایا، نہ کچھ گھٹایا نہ بڑھایا۔ نہ انھیں کسی کا ڈر تھا نہ لالچ تھا، یہ تو فقط خدا کے خوش کرنے کے لئے خدا کے رسول کا پیغام گھر گھر پہنچاتے تھے۔

دیوبند کا مدرسہ

جس مدرسہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ یہ مدرسہ اسی پیام کو سناتا ہے۔ اللہ کے رسول کے پیام کو۔

تم جانتے ہو یہ مدرسہ کہاں ہے۔؟

یہ مدرسہ دیوبند ضلع سہارن پور میں ہے۔

یہ مدرسہ کیسے بن گیا۔

تمہیں تعجب ہوگا، جب یہ سنو گے کہ گنے چُنے

آدمیوں نے جن کے دل میں لگن تھی۔ جب اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی تو ان کے پاس حکومت کی طاقت نہ تھی، روپیہ کے ڈھیر نہ تھے، سونے چاندی کے انبار نہ تھے۔ تجوریوں میں نوٹوں کی گڈیاں نہ تھیں۔

ہاں! سچائی تھی، جوش عمل تھا۔ خدا کے رسول کی خوشنودی کا خیال تھا۔

انھوں نے کہا۔ ہندوستان میں ہمارے بزرگ آئے تھے۔ بخارا سے، دمشق سے، ایران اور سمرقند سے، سیستان اور خراسان سے، انھوں نے رسول اللہ ؐ کا پیغام سنایا۔ اندھیرے میں علم کا چراغ جلایا۔ ذات پات کو مٹایا۔ محمود اور ایاز دونوں کو امام بنایا، نہ کسی سے چھوت چھات کی، نہ کسی کو حقیر سمجھا۔ اب پھر اندھیرا ہوتا جا رہا ہے۔ انگریزی حکومت اللہ کے نور کو بجھانے کی تیاری کر رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان چاہے صورت سے مسلمان رہیں۔ مگر ان کا دل عیسائی ہو جائے۔ اپنے مذہب کی ہنسی اڑائیں، اور اکڑتے پھریں۔ اللہ رسول کا نام بھی لیں تو دکھاوے کے لئے لیں۔ اللہ، رسول کی عظمت ان کے دل میں نہ رہے۔

حکومت نے پادریوں کو بلایا ہے۔ ان کو بڑی بڑی

تنخواہیں دی جارہی ہیں ۔ تاکہ گاؤں گاؤں پھر کر غریب مسلمانوں کو پھانسیں اور انھیں عیسائی بنائیں۔

دیوبند کا مدرسہ مسلمانوں تک اللہ اور رسولؐ کا پیغام پہنچائے گا۔ سچا اور پکا مسلمان بنائے گا۔ لوگ دین و مذہب بھولتے جارہے ہیں ۔ اگر روک نہ ہوئی تو کیا ہوگا۔

تین ساتھی تھے جنھوں نے یہ جھنڈا اُٹھایا۔

حضرت حاجی سید محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا شیخ مہتاب[۱] علی صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ نہال[۲] احمد صاحب صدیقی رئیس دیوبند)

بس تین یار، نہ سو، نہ دو سو نہ ہزار ۔ انھوں نے کہا۔ یہ کام بہت ضروری ہے۔ خدا کے رسول کا پیام سُنانا ۔ اور مسلمانوں میں دین و مذہب کی لگن پیدا کرنا۔

مکتب تو بہت ہیں، بچّے مسجدوں میں جاتے ہیں ۔ گھروں پہ آتے ہیں ۔ مگر پوری تعلیم نہیں ہوتی ۔ مدرسہ ایسا ہو کہ گھر کا ہو یا باہر کا جو بھی آئے پکّا مسلمان بن کر جائے ! رہے بھی مدرسہ میں، پڑھے بھی مدرسہ

---

[۱] شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اسیر مالٹا کے عم اکبر یعنی تایا۔ [۲] دیوبند کے رئیس اعظم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے اُن کی ہمشیرہ منسوب تھیں

میں، کھائے بھی مدرسہ میں، مفلس ہو یا دولت مند، سب ایک ڈھنگ پر رہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ یہ مدرسہ چلے گا کیسے۔؟

گھر گھر سے پیسے اکٹھے کرو، ہر گھر میں روٹی پکتی ہے۔ بچے بڑے کھاتے ہیں۔ گنتی کی کھاتے ہیں۔ بھیک منگے اور فقیر لے جاتے ہیں۔ گھر والوں سے کہہ دو، دونوں وقت آٹا گوندھیں تو مٹھی بھر آٹا الگ مٹکی میں ڈال دیں۔ دیوبند کے نام کا آٹا۔ دین کی تعلیم کے نام کا آٹا۔ پھر ہر ہفتہ آٹا جمع کرو، مدرسہ کا خرچ چلے گا۔ نیت اچھی ہو تو منزل بھی آسان ہو جاتی ہے۔

مٹھی بھر آٹے کی برکت

ایسے پڑھانے والے بلاؤ۔ جو پھٹے کپڑے پہن کر جَو کی روٹی کھا کر اللہ کے دین کی خاطر بچوں اور بڑوں کو پڑھائیں۔

یہ مدرسہ ایسے جوانمرد اور بہادر تیار کرے گا۔ جو انگریز کے منصوبہ کو چلنے نہ دیں گے اور مذہب اسلام کے سچے سپاہی بنیں گے۔ اور جب بھی ضرورت ہوگی۔ مذہب کو، دین کو اور ملک کو بچانے کے لئے اپنی قربانی دیں گے۔

کسی طرف سے آواز آئی۔ مولانا محمد قاسم صاحب

نانوتویؒ کو بلاؤ۔

یہی مولانا محمد قاسم شیخ اسد علی کے بیٹے نانوتہ کے رہنے والے، جن کے علم کی تھاہ نہیں، اور فقط علم ہی نہیں، عمل اور بزرگی بھی ہے۔ ان کے باپ دادا بڑے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خاندان سے ہیں۔ جنھوں نے مکّہ کے بڑے بڑے لوگوں کو مسلمان بنایا تھا۔ اور اسلام کا فدائی بنا دیا تھا۔ ان کے بڑے دادا کا نام بھی قاسم تھا اور ان کا نام بھی قاسم ہے۔

مولانا محمد قاسم بھی قاسم العلوم بنیں گے۔ اور ہندوستان کے کونہ کونہ تک ان کا فیض پہنچے گا۔

اب تھوڑی دیر رک جاؤ۔ اور یہ بات سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خاندان دنیا میں دور دور پھیلا ہے۔ ہندوستان میں بھی اور باہر کے ملکوں میں بھی، ان میں کون کب ہندوستان آیا؟ اور کیا کیا؟ یہ تو بڑی لمبی بات ہے۔ مگر جب بھی کوئی آیا۔ دین کی لگن ساتھ لایا۔

ان میں ایسے بھی ہوئے کہ عمر بھر علم اور دین کی خدمت کرتے رہے اور وہ بھی ہوئے جنھوں نے کاروبار کئے کھیتی باڑی کی۔ بادشاہوں اور امیروں نے ان کی

تعظیم کی، نذرانے دیئے اور جاگیریں دیں۔ یہ بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ قاضی و جج اپنے مقدموں کے فیصلے کئے ایسے بھی ہوئے جو درویش تھے اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے تھے، کسی نے بنگال جاکر دین کی خدمت کی، کوئی یوپی کے شہروں میں آباد ہوگیا۔

ضلع بجنور کے قصبوں میں بھی آئے اور آباد ہوگئے۔ اور چاہے صدیقی اپنے کاموں کو بھول جائیں۔ مگر لکھنے والا موٴلف مقبول احمد سیوہاروی ان کی خدمتوں کو نہیں بھول سکتا۔ جن میں ایک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی ہیں۔ جن کے کارناموں سے ہندوستان کی اسلامی دنیا روشن ہو رہی ہے۔

موٴلف خود بھی حضرت قاسم بن محمد کے سلسلہ سے جڑا ہوا ہے۔ اور اسی صدیقی خاندان سے ہے۔ جس کے ایک برگزیدہ بزرگ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی تھے۔ جو جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔ اور جن کے خدمت خلق، خدمتِ علم، خدمت ملک اور مخلوق خدا کی سیوا کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہی کارنامے تھے جن کی وجہ سے اُن کو قوم نے "مجاہد ملت" کا خطاب دیا۔

صدیقی خاندان

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خاندان کے بزرگوں میں محمد ہاشم ایک بزرگ شاہ جہاں بادشاہ کے ندیم[1] تھے۔ جنھوں نے نانوتہ میں قیام فرمایا تھا۔

بات بیچ میں آگئی اس لئے بتانے میں کچھ ہرج بھی نہیں ہے کہ راقم فقیر کے خاندان میں بھی قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کے پوتوں کے پوتوں میں قاضی محمد زنجانی شہنشاہ بابر کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کے بھائی محمد حسین بنگال چلے گئے۔ اور قاضی محمد حسن بقن پورہ میں جس کا تعلق سیوہارہ کے پرگنہ سے ہے، آکر آباد ہوگئے۔ اور اسی بستی میں انتقال کر گئے۔ جہاں اب بھی شاید قبر کا نشان ہے۔ قاضی محمد حسن کے بیٹے سیوہارہ آگئے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

عبدالرحمٰن کی اولاد میں شاہ عبدالقدوس بڑے عابد زاہد صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ جن سے سیوہارہ کا صدیقی خاندان چلا ہے۔ اور فقط سیوہارہ میں ابی

---

[1] ندیم۔ ہم نشین اور مصاحب۔ جو وزیر یا کوئی عہدہ دار تو نہیں تھے۔ البتہ بادشاہ کی مجلسوں میں شریک رہا کرتے تھے۔

نہیں، بلکہ نہ جانے کہاں کہاں یہ خاندان پھیلا ہوا ہے۔
اچھا تو اب آگے چلو۔ بات حضرت مولانا محمد قاسمؒ
کی ہو رہی تھی۔ مولانا محمد قاسم نے ابتدائی تعلیم نانوتہ
میں پائی۔ یہ قاعدہ بغدادی، سیپارے اور قرآن شریف کی
تعلیم تھی اور شاید کچھ اور بھی۔

مولانا نانوتوی بچپن سے ذہین تھے۔ مکتب میں جتنے
لڑکے پڑھتے سب سے اول رہتے تھے۔ ابھی تک یہ وبا
نہ پھیلی تھی کہ بچے کے آنکھ کھولتے ہی اے، بی، سی، ڈی
یاد کرائی جاتی۔ کتا بھاگتا ہے، بلی چوہا پکڑتی ہے۔ ایک
بڑا کتا۔ ایک موٹی بلی کا سبق پڑھایا جاتا۔ قرآن مجید اور
راہ نجات کا زمانہ تھا۔ کلمہ طیب، آمنت باللہ وملائکتہ کا
زمانہ تھا۔

مولانا نے قرآن پاک جلد یاد کرلیا۔ پھر انھیں دیوبند
بھیج دیا گیا۔ اس وقت دیوبند میں کوئی بڑا مدرسہ نہ تھا۔ بس
ایک دو مکتب تھے۔ ان میں شیخ مہتاب علی کا مکتب
اچھا مکتب سمجھا جاتا تھا۔

شیخ مہتاب علی کون تھے؟ شاید تم نے حضرت شیخ الہند
مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہو۔ ان
کے والد کا نام مولانا ذوالفقار علی۔ مولانا ذوالفقار علی کے

بھائی تھے شیخ مہتاب علی۔

شیخ مہتاب علی کا مکتب

اس مکتب میں جس نے پڑھا کچھ سے کچھ ہوگیا۔ مولانا مہتاب علی مولانا محمد قاسم کی باتیں سنتے۔ اور ہر دم کتابیں پڑھتے دیکھتے تو کہتے، یہ لڑکا تو علم کی بکری ہے۔

کہنے میں ہنسی کی بات تھی۔ مگر دیکھئے اور سوچئے تو کیسی جچی تُلی رائے تھی۔

تم نے بکری دیکھی ہوگی، جدھر جاتی اور ہریالی دیکھتی ہے منھ مارنے لگتی ہے۔ پتے ہوں، ٹہنیاں ہوں سب کھا جاتی ہے۔ کانٹوں پر بھی منھ مار دیتی ہے۔ اور جب اس کے پیٹ میں کانٹے پہنچ جاتے ہیں تو وہ بھی ہضم ہوکر غذا بن جاتے ہیں، نقصان نہیں پہنچاتے۔

جنھیں علم کی لگن ہوتی ہے۔ وہ بھی بکری جیسے ہوجاتے ہیں۔ ہر علم کے جوہر ڈھونڈتے ہیں اور برائیوں سے اچھائی نکال لیتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم کا بھی یہی حال تھا کہ جس علم و فن کی کتاب سامنے آجاتی پڑھ ڈالتے، حافظہ بلا کا تھا جو کچھ پڑھ لیا دماغ پر نقش ہوکر رہ گیا۔

دیوبند جس زمانہ میں پڑھا، اس وقت آٹھ نو سال

کی عمر تھی۔ پھر سہارن پور اپنے نانا شیخ وجیہہ الدین کے ہاں چلے گئے۔

شیخ وجیہہ الدین امیرانہ ٹھاٹ رکھتے تھے۔ فارسی کے عالم تھے، وکیل تھے۔ نواسہ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اُردو کے شاعر بھی تھے۔ مگر افسوس کہ مولانا سہارن پور نہ رہ سکے۔ نانا نے انتقال کیا تو سہارن پور سے پھر نانوتہ آ گئے۔ نانوتہ شاید ایک سال رہے۔

اب ایک بات سنو، اگر تم نے ہماری کتاب "مولانا گنگوہی" جس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا حال ہے، پڑھی ہے تو اس میں مولانا مملوک علی کا نام بھی پڑھا ہوگا۔ مولانا یعقوب ان ہی مولانا مملوک علی کے بیٹے تھے۔ مولانا مملوک علی کی تعریف بڑے بڑے لوگوں نے کی ہے۔ اور بڑے بڑے لوگوں نے ان سے پڑھا بھی ہے۔ نانوتہ کے رہنے والے تھے۔ دلّی میں رہتے تھے۔ مولانا محمد قاسم سہارن پور سے نانوتہ آئے تو کچھ دن بعد مولانا مملوک علی بھی نانوتہ آئے۔ اور اپنے بیٹے مولانا یعقوب اور اپنے خاندان کے ہونہار نونہال (مولانا) محمد قاسم کو ساتھ دلّی لے گئے۔

دِلّی میں تعلیم مولانا محمد قاسم نے دلّی میں کیا پڑھا؟ اور کس کس سے پڑھا؟ یہ تو لمبی داستان

ہے۔ سب سے زیادہ مولانا مملوک علی سے پڑھا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھی۔

دِلّی میں بڑے بڑے بزرگ رہتے تھے۔ اور جس زمانہ میں مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ تعلیم پا رہے تھے۔ ایک مجذوب بھی پھرا کرتے تھے۔ ان کا نام حافظ عبدالقدیر تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ بڑے بزرگ ہیں۔ جو کچھ زبان سے نکل جاتا ہے، پورا ہو جاتا ہے۔ بات کرتے تو اوٹ پٹانگ کرتے۔ ایک ایران کی کہی تو ایک توران کی، ایک زمین کی کہی تو ایک آسمان کی۔

ایک دن مولانا محمد قاسم کسی گلی میں جا رہے تھے۔ بغل میں بخاری شریف دبی ہوئی تھی۔ سامنے سے حافظ عبدالقدیر صاحب آئے۔ اور بخاری شریف چھین کر چل دیئے۔ آگے آگے حافظ صاحب، پیچھے پیچھے مولانا۔ مولانا کو شاید یہ بھی ڈر ہوگا۔ کہ بخاری شریف کو پھاڑ نہ دیں۔ کچھ دور چلے تھے کہ ایک بھڑبوجے کی دکان آگئی۔ بھاڑ چڑھا ہوا تھا، حافظ صاحب بیٹھ گئے۔ اور بخاری شریف کے ورق لوٹنے لگے، ورق لوٹتے جاتے تھے۔ اور ہمن کرتے جاتے تھے۔ پھر بخاری شریف مولانا کو

دے کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ :-

"جا تو بڑا عالم ہوگا"

حافظ صاحب مجذوب نے مولانا کو بڑا عالم کہا۔ مگر وہ تو عالم گر تھے۔ جنھوں نے ہزاروں کو عالم بنادیا۔ اور ایک ایسا سانچہ بنا کر چھوڑ گئے کہ جو کوئی اس سانچہ میں ڈھلے گا عالم بن جائے گا۔

مولانا محمد قاسم کا علم فقط یہی نہیں تھا کہ جو کچھ کتاب میں پڑھ لیا، اسے کچھ بڑھا کر یا کم کر کے بنادیا۔

ان کا علم تو ایسا تھا کہ جب تم اس کی داستانیں سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔

پادری لوگ انگریزی حکومت کے بل بوتے پر جگہ جگہ جلسے کرتے پھرتے تھے۔ وہ ہندوؤں کے اوتاروں کی بھی ہنسی اُڑاتے، اور مسلمانوں کے پیشواؤں کو بھی بُرا کہتے تھے۔

شاہ جہاں پور کا جلسہ

بات یہ ٹھیری کہ شاہ جہاں پور میں ایک جلسہ ہو۔ ہندو بھی ہوں، مسلمان بھی ہوں، عیسائی بھی ہوں۔ اپنی اپنی سب کہیں۔ پادریوں کو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم مسلمان مولویوں کو ہرادیں گے۔ یہ بیچارے کیا ہیں پھٹے کپڑے پہننے والے، سوکھے ٹکڑے کھانے والے ہمارا کیا مقابلہ

کر سکتے ہیں۔

جلسہ میں ہزاروں آدمی تھے۔ ہندوؤں کے بڑے بڑے پنڈت، عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے مولوی۔ خوب خوب تقریریں ہوئیں۔ پادریوں سے بولا تک نہ گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے سامنے بھلا کون بول سکتا تھا۔ اس جلسہ کی داستان اب بھی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔

آخر دن مولانا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور اخلاق پر وعظ فرمایا۔ وعظ کیا تھا بس کرامت تھی۔ پیکر اخلاق عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ کھینچا تو لوگوں کا یہ حال تھا کہ حضرت کو ٹکٹکی لگائے تک رہے تھے جیسے کسی کو سکتہ ہو جائے۔ اور پلک نہ جھپکائے۔ سننے والے سُن رہے تھے۔ کچھ روتے جاتے تھے۔ کچھ سبحان اللہ کے نعرے لگا رہے تھے۔

271

ہندو بھی، عیسائی بھی، بڑے بڑے پادری بھی چُپ تھے۔ اور مجال نہ تھی کہ جنبش کر سکیں۔

پھر حضرت نے جب یہ فرمایا۔ اب کوئی انصاف سے بتائے کہ ایسے اخلاق کی ہستی مثال میں پیش کی

جا سکتی ہے۔ تو اُس وقت کسی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کسی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ کہ یہ انسان بول رہا ہے یا قدوسی آوازیں ہیں۔

تقریر کا اثر

اِی نگ صاحب ایک پادری شاہ جہاں پور سے بریلی آئے۔ اور کسی نے حضرت مولانا محمد قاسم کی تقریر کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے۔

اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آنا چاہیئے تھے۔

ایک نیک دل ہندو نے کہا:۔

واہ کیا تقریر تھی یہ تو کوئی اوتار ہوں تو ہوں

مولانا محمد قاسم صاحب کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے:۔

دو آدمی وعظ کہہ سکتے ہیں۔ ایک محقق (ایسا عالم جسے تحقیق کا درجہ حاصل ہو) اور ایک بے حیا۔ میں بے حیا ہوں۔ اس لئے وعظ کہہ لیتا ہوں۔ اللہ اللہ کیا انکسار تھا۔

کسی شاعر نے لکھا ہے:۔

آں کس کہ بداند و بداند کہ نہ داند
اسپ طلب خویش بہ افلاک رساند

(جو سب کچھ جانتا ہو اور یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا اس طلب کا گھوڑا آسمان تک پہنچ جائے گا۔)

حضرت مولانا محمد قاسم ایسے ہی بزرگوں میں تھے۔

بخاری شریف' حدیث کی ایسی کتاب ہے۔ جس کو سمجھے اور دورہ کئے بغیر عربی پڑھنے والا پکا مولوی نہیں بنتا۔ اس میں حدیثوں کا خزانہ بھی ہے۔ اور مسائل شرعی کی کسوٹی بھی ہے امام بخاری نے ایک ہی حدیث سے طرح طرح کے مسائل نکالے ہیں۔

بخاری کی شرح بڑے بڑے عالموں نے لکھی ہے ان میں مولانا احمد علی بھی ہیں۔ مولانا احمد علی سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ دلی میں ان کا چھاپہ خانہ تھا۔ خدا نے انھیں بڑا علم دیا تھا۔ بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔ آخر کے پانچ یا چھ پاروں کی شرح حضرت مولانا محمد قاسم سے لکھائی ہے۔ یہ اسی زمانہ کی بات ہے۔ جب مولانا دلی میں تھے۔

وہ شرح کیسی ہے؟ مختصر بات یہ ہے کہ بڑے بڑے عالم اُس شرح کو دیکھتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم فقط عالم ہی نہ تھے۔ جو چند گنی چنی کتابیں پڑھ کر سند حاصل کر لیتا ہے۔ اور مدرسہ

میں بیٹھ کر کتابیں پڑھانے لگتا ہے۔ بلکہ وہ علم کا سمندر تھے۔
مولانا محمد قاسم عالم بھی تھے اور درویش بھی تھے۔ اور وہ تمام خوبیاں جو صاحب حال درویشوں میں ہوتی ہیں۔ انھیں کمال کے درجہ پر حاصل تھیں۔ زیادہ چپ رہتے تھے سادہ لباس پہنتے تھے۔

سادہ زندگی

دیہات اور قصبوں میں ٹرنک، اٹیچی اور بکس تو تھے نہیں، یا تو پٹارے تھے۔ یا ایک چوکور گاڑھے کا کپڑا، سادہ یا چھپا ہوا۔ اس میں کپڑے بندھ جاتے تھے۔ اور اسے گٹھڑی کہتے تھے۔ ان گٹھریوں میں ہر اک اپنے اپنے کپڑے الگ رکھ دیتا تھا۔
حضرت مولانا کے پاس گٹھری بھی نہ تھی۔ اور ہوتی بھی کہاں سے، عمر بھر حد سے حد دو جوڑے رہتے تھے۔ ایک بدن پر ایک باہر، جس حجرہ میں رہتے تھے نہ وہاں قالین اور غالیچے بچھے تھے، نہ دری تھی۔ چٹائی بھی تھی تو ٹوٹی ہوئی۔
ایک نیلی لنگی رہتی تھی۔ کپڑے زیادہ میلے ہو گئے۔ تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار دیئے اور خود ہی دھو ڈالے۔
لباس کیا تھا؟ بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن، یا انگا، اور پاجامہ، جاڑا ہو تو چھوٹا سا عمامہ یا روئی کا کنٹوپ سر پر رہتا تھا۔

حضرت مولانا کے شاگرد؛ مولانا احمد حسن امروہی نے شاہ جہاں پور کے سفر کا حال لکھا ہے۔ جب بڑے بڑے پادریوں سے مباحثہ کرنے چلے تھے۔ یہ بڑا دلچسپ حال ہے۔ تم سوچو گے اتنے بڑے مجمع کے لئے نہ جانے کیسا شاندار چغہ بنایا ہوگا! کیسا عمامہ ہوگا، کیسی بھڑک دار چادر ہوگی، کہ جو کوئی دیکھے دیکھتا رہ جائے کہ یہ ہیں بڑے مولوی صاحب!!

مولانا احمد حسن لکھتے ہیں:۔ کہ شاہ جہاں پور سے جہاں مباحثہ کا میلہ تھا، جانے کے لئے راستہ میں ندی پڑتی تھی۔ مولانا پیدل جا رہے تھے، ندی میں پانی تھا۔ پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر گئے۔ پار اتر کر لنگی باندھی پاجامہ نچوڑ کر اور لاٹھی پر ڈال کر کندھے پر رکھ لیا اور چل دیئے۔ شاگرد ساتھ ہوتے تھے۔ تو برابر برابر چلتے تھے۔ آگے بڑھ کر نہ چلتے تھے۔ جب تک قوت رہی سواری پر نہ چلتے تھے۔

دہلی کے زمانہ تعلیم کی بات ہے۔ مولانا احمد علی کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ اگر کوئی مولوی صاحب کہتا تو نہ بولتے، اور نام لے کر پکارتا تو خوش ہو جاتے۔

اور سب سے عجیب عمل یہ تھا کہ اگر کہیں ایسی جگہ

پہنچتے' جہاں جاننے والے نہ ہوتے تو اپنا تاریخی نام خورشید حسین بتادیتے' محمد قاسم نہ بتاتے کہ جلوس اور تعظیم کے مظاہرے نہ ہونے لگیں۔ غریبوں سے زیادہ میل جول رکھتے تھے۔ اور اگر کوئی غریب دعوت کرتا تو بڑی خوشی سے قبول فرما لیتے۔ تم دیکھ رہے ہو مولانا محمد قاسم نانوتوی کو جن کی تمام ہندوستان میں دھوم تھی۔ جن کے بنائے ہوئے مدرسوں سے ہزاروں مولوی سال بہ سال اپنے گھروں کو دولتِ علم لے کر جاتے ہیں۔ اور مخلوق خدا کو فیض پہنچاتے ہیں۔

دلی کے قیام کے زمانہ کا ذکر ہے۔ مولانا مملوک علی کا مکان چیلوں کے کوچہ میں تھا۔ مولانا مملوک علی کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کے بیٹے مولوی محمد یعقوب نوکری پر اجمیر چلے گئے۔ تو مولانا اسی مکان میں رہتے تھے۔ مکان دو منزل کا تھا۔ دوسری منزل پر ایک چارپائی پڑی رہتی تھی۔ چارپائی کیا تھی جھلنگا تھا' نہ پائنتی نہ ثابت بان' بس اسی جھلنگے پر مولانا پڑے رہتے تھے۔ روٹی پکوا لیتے اور کئی کئی دن تک سوکھے ٹکڑے کھاتے رہتے۔ کھانا پکانے والے سے مولانا یعقوب کہہ گئے تھے کہ ہر کھانے کے وقت مولانا کو سالن دیدیا کرنا۔ وہ سالن پیش کرتا

تو انکار کر دیتے، بار بار کہتا تو قبول کر لیتے، ورنہ سوکھے ٹکڑے چبا کر پانی پی لیتے اور جھلنگے میں پڑے رہتے۔

بخاری شریف کی شرح

اسی زمانہ میں بخاری شریف کے چھ پاروں کی شرح لکھی ہے۔ تنہا مکان تھا۔ رات رات بھر خدا کے ذکر اور فکر میں رہتے، محویت اور جذب اتنا بڑھ گیا تھا کہ نہ بالوں کی صفائی کا خیال تھا نہ حجامت کی فکر تھی، نہ میلے اور پھٹے کپڑوں کی پروا تھی۔

مُرید

یہ بات ہم تمھیں بتانا بھول گئے ہیں کہ دِلّی میں مولانا مملوک علی سے جس زمانہ میں پڑھتے تھے۔ لگ بھگ اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہو چکے تھے۔ جن کی توجہ خاص نے مولانا کو کچھ سے کچھ کر دیا تھا۔

کبھی کبھی فرمایا کرتے:-

اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو
ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی مجھے نہ جانتا۔

خواب

مولانا محمد قاسم نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں خدا کی گود میں بیٹھا ہوں۔

یہ خواب حضرت کے دادا نے سنا تو فرمایا:-

اللہ تعالےٰ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔ اور تمہارا شمار بڑے درجہ کے علماء میں ہوگا۔

ایک دفعہ خواب دیکھا۔ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں۔ اور مجھ سے ہزاروں نہریں جاری ہورہی ہیں پھر اس خواب کی تعبیر تو دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ قاسم العلوم والخیرات کے علم کے چشمے ہندوستان کے کونہ کونہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اور جہاں بھی دینی مدرسے نظر آتے ہیں۔ حضرت ہی کے خواب کا ظہور ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کا ارشاد

جس زمانہ کا ذکر ہورہا ہے۔ ایک بڑے نامور اور بزرگ درویش، گنج مرادآباد ضلع اُناؤ میں خلق خدا کی رہبری فرمارہے تھے۔ ان کا اسم گرامی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن تھا۔ پورے اودھ میں اُن کے فیض نے اُجالا کر رکھا تھا۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نے بھی اُسی دریائے علم سے پیاس بجھائی تھی۔ جسے خاندان شاہ

ولی اللٰہی کہتے ہیں۔ حضرت شاہ محمد آفاق کے مرید تھے۔
نقش بندیہ سلسلہ کے امام گذرے ہیں۔ کشف اس درجہ
کا تھا۔ کہ اگر ان کی داستانیں بیان کی جائیں تو ایک کتاب
بن جائے، عالم بے بدل تھے۔ اور درویش باکمال تھے۔
حضرت مولانا محمد قاسم کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ کسی نے
حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے سامنے
مولانا محمد قاسم کا ذکر کیا۔ تو فرمایا کہ:۔

انھیں تو کم عمری ہی میں ولایت مل گئی ہے

مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور
معتقدوں کی بھی ایسی تعظیم کرتے جیسے کوئی اپنے
بڑے کی تعظیم کرتا ہے۔ ہر ایک کا پورا نام لیتے۔
اور ہر ایک کا نام "میاں" کہہ کر لیتے۔ میاں منصور،
میاں محمود حسن، میاں احمد حسن۔ کسی کو یہ نہ کہتے
کہ میرا مُرید ہے یا شاگرد ہے۔ بلکہ یہ میرے
دوست ہیں، مہربان ہیں، میرے عنایت فرما ہیں۔
کسی غریب کو کوئی حقارت سے دیکھے، یہ کبھی
گوارا نہ کرتے تھے، حد یہ کہ اگر کوئی سوال کرنے
والے بھک منگے کو جھڑکتا تو بہت ناخوش ہوتے۔
ایک دفعہ گلاوٹھی تشریف لے گئے۔ سیّد

مہربان علی رئیس کے ہاں وعظ فرمانا تھا۔ اتفاق سے کسی بھک منگے نے سوال کیا۔ نوکروں نے منع کیا تب بھی نہیں مانا، اور سوال کرتا رہا۔ نوکروں نے جھڑکا اور تھپیڑ بھی مار دیا۔ جس پر وہ غریب روتا چلا گیا، یہ خبر حضرت کو بھی کسی نے پہنچا دی۔ سید صاحب سے تو کچھ نہ بولے۔ نوکر سے یہ کہتے ہوئے عصر کی نماز کے لئے چلے گئے! تم نے اس غریب کو کیوں مارا تم بھی دُنیا میں ہمیشہ نہ رہوگے! عصر کی نماز پڑھ کر سید مہربان علی کے مکان پر نہ آئے اور جنگل کی طرف ہی چلے گئے۔ اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ اُس وقت حضرت پر جلال کی کیفیت طاری تھی کسی میں ہمت نہ تھی کہ کچھ کہے۔

سید مہربان علی نے اس فقیر کو بلا کر پانچ روپے دیئے اور اُسے حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ خوشامد کرے اور بلا کر لائے۔ حضرت کو جیسا یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب نے فقیر کو خوش کر دیا ہے تو واپس تشریف لائے اور وعظ فرمایا۔

سچ پوچھئے تو دیوبند کے مدرسہ کے لئے کسی ایسے ہی عالم کی ضرورت تھی جو عالم بھی کامل ہو۔ اور

جسے خدا کی قربت بھی حاصل ہو۔

صاحب دل ہو، درویش ہو، جو کچھ کہے دل سے کہے۔ اور جو اشارہ کرے مشیت الہٰی کا اشارہ ہو۔

مولانا محمد قاسم عالم بھی تھے اور درویش بھی تھے۔ اور وہ تمام باتیں جو صاحب کمال درویشوں میں ہوتی ہیں ان میں موجود تھیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ نے کیا فرمایا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے :۔

حق تعالےٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے (باقاعدہ کسی مدرسہ میں سند نہیں لیتے) ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں۔ حضرت شمس تبریز کو مولانا روم لسان عطا ہوئے، جنھوں نے حضرت شمس تبریز کے معارف اپنی زبان میں ادا کیے۔ اور مجھے مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔

گویا حضرت مولانا محمد قاسم حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان تھے کہ جو معارف اُن کے قلب پر وارد ہوتے تھے۔ مولانا محمد قاسم اپنی زبان سے

انھیں ادا کر دیتے تھے۔

ایک موقعہ پر یہ بھی فرمایا :-

مولوی صاحب کی تقریر اور تحریر کو محفوظ رکھا کرو۔ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوتے تھے، اب نہیں ہوتے۔

ایک دفعہ میرٹھ میں مثنوی شریف پڑھانی شروع کی۔ مولانا محمد یعقوبؒ لکھتے ہیں۔ کہ دو چار شعر ہوتے، پھر ایسے عجیب و غریب مضامین بیان فرماتے کہ اس سے پہلے کہیں سننے میں نہ آئے تھے۔

جیسے اُستاد، ویسے شاگرد۔

راقم الحروف نے حضرت مولانا احمد حسن امروہوی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کو دیکھا ہے۔ فیض قاسمی نے ان کو بھی ایسا بنا دیا تھا کہ جب اور جہاں کہیں بھی بیان ہوتا۔ لوگ ان کے مطالب و معانی کو سن کر دنگ ہو جاتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام علوم پر ان بزرگوں کو قدرت حاصل ہو گئی ہے۔

مولانا انور شاہ کا حافظہ اور ذہانت، علم اور ہمہ گیری، حضرت شیخ الہند کا درجہ حدیث اور

عقیدت شناسی، مولانا احمد حسن امروہوی کا انداز بیان اور اثر، جو بھی دیکھتا بے ساختہ پکار اٹھتا۔ جیسا باپ ویسا بیٹا، جیسا استاد ویسا شاگرد، جیسا درخت ویسا پھل۔ کس کس کا نام لوں، کس کس کی تعریف کروں ہر ایک صاحب علم و عمل گذرا ہے۔

کم پڑھے لکھے عالم

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض صحبت اور حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا محمد یعقوب کی ہم نشینی جسے بھی میسر آ گئی چمک اٹھا۔ سورج کی چمک سے ریت میں ملے ہوئے ذرے بھی چمک جاتے ہیں۔

عالم تو خیر عالم ہیں۔ جنھوں نے پڑھا لکھا نہ تھا۔ اور ان بزرگوں کے پاس بیٹھ گیا، کیا سے کیا ہو گیا۔

برس گذر گئے، پچاس یا اس سے بھی زیادہ، مراد آباد میں مولانا حکیم محمد صدیق کے ہاں حضرت امیر شاہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تھے۔ مولانا محمد صدیق صاحب حضرت نانوتوی کے خاص لوگوں میں تھے۔ اندر حضرت نانوتوی نے

انھیں اپنا خلیفہ بھی بنایا تھا۔ امیر شاہ خاں بینڈھو کے رہنے والے پٹھان تھے۔ تن و توش پٹھانوں کا سا، قوت اور دلیری پٹھانوں کی جیسی۔ غالباً اس وقت پچاسی یا نوّے سال کی عمر ہوگی۔ صبح سے شام تک ایک نشست سے بیٹھے رہتے، درمیان میں ضروریات اور نماز کے لئے اُٹھتے اور پھر اُسی شان سے بیٹھ جاتے۔

ایسے مضامین اور مسائل کی شرح کرتے کہ عام مولویوں کو ہوا بھی نہ لگی تھی۔ علماء اور طلباء کا تانتا لگا رہتا۔ اور خاں صاحب کے معارف و مطالب کا دریا رواں رہتا۔

ہائے کیا زمانہ تھا۔ جس نے بھی سنا کہ حضرت حاجی امداد اللہ، مولانا گنگوہی، مولانا محمد قاسم کے مجلس نشین مرادآباد آئے ہیں دوڑا چلا آیا۔ سنبھل کے، امروہہ کے، بچھرایوں کے، ضلع بجنور کے لوگوں نے قدم بوسی کی۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا تھا پھول بکھر رہے ہیں۔ اللہ اور رسول کا بیان، شرعی مسائل کی تعلیم، ان بزرگوں کا حال۔ راقم فقیر کو بھی دید میسر آئی تھی۔

مولانا محمد قاسم کے حکم میں اثر تھا، اشارہ میں اثر تھا، ہدایت میں اثر تھا، اشارہ کے اثر کا بڑا پُرلطف قصہ ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ میں تعلیم پوری کر چکا، تو حضرت نانوتوی نے دیوبند کے مدرسہ میں مجھے مدرس پنجم بنا دیا۔ تنخواہ پندرہ روپے مقرر ہوئی۔ مجھے خبر لگی تو گھبرا گیا کہ جو کچھ بھرم ہے وہ بھی کھل جائے گا۔ یہ سوچ کر چھپ گیا۔ حضرت نے تلاش بھی کرائی مگر میں پھر بھی چھپا رہا۔ آخر کب تک؟ ہاتھ لگ گیا اور حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔

حضرت نے فرمایا:۔ میاں محمود یہ تم نے کیا کیا؟ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور عرض کیا۔ حضرت!! مجھے تو آپ کی باتیں بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ سنتا تھا تو لذت ملتی تھی۔ پڑھنے کا حیلہ کر کے سبق میں بیٹھ جاتا تھا۔ میں نے پڑھنے کی نیت سے پڑھا ہی کیا ہے۔ جو

دوسروں کو پڑھاؤں۔
حضرت نے مسکرا کر فرمایا:۔ محمود سامنے آؤ۔
پھر پیٹھ پر تھپکی دے کر فرمایا۔ جاؤ، جاؤ
جا کر پڑھاؤ، تمہیں تو بہت کچھ پڑھانا ہے"؛
سب جانتے ہیں کہ یہی محمود اپنے شیخ کے اشارہ
پر کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور آگے چل کر شیخ الہند
کے نام سے مشہور ہوئے۔
کسی نے سچ کہا ہے :۔
"بس اک نظر تری کافی ہے عمر بھر کیلئے"
اب ذرا حکم کا اثر دیکھ لیجئے۔
شاہ جہاں پور کے وعظ کا حال تم نے پڑھا ہے
اس وعظ میں حضرت مولانا احمد حسن امروہوی بھی
موجود تھے۔
شاہ جہاں پور میں کسی نے درخواست کی۔ کہ
حضرت نے جو تقریر شاہ جہاں پور میں کی تھی وہ تقریر
سننے کو مل جائے تو زہے قسمت۔
حضرت نے مولانا احمد حسن امروہوی کو حکم دیا کہ
تقریر کر دو :۔
مولانا احمد حسن [illegible] کہ تقریر تو بیشک میں نے

سُنی ہے۔ مگر یہ کب خیال تھا کہ سنانی پڑے گی ورنہ کچھ پہلو یاد رکھتا، حضرت نے حکم دیا۔ تو کھڑا ہوگیا۔ تقریر شروع کی تو کچھ دیر تو ہوش رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے بے ہوشی میں بول رہا ہوں
تقریر ختم ہوئی تو سننے والے حیران رہ گئے۔ اور بولے یہ تو وہی تقریر ہے جسے حضرت مولانا نے فرمایا تھا۔ وہی آن بان وہی شان، وہی الفاظ و معانی۔

مولانا محمد قاسم دیوبند میں چھتہ کی مسجد میں رہتے تھے۔ اسی میں ایک حجرہ تھا، جس میں فقط ایک چٹائی بچھی رہتی تھی، نئی چٹائی نہیں پرانی پھٹی ہوئی چٹائی۔ مجلس درس بھی اسی میں تھی اور جن خوش نصیبوں پر توجہ خاص تھی، ان کی تربیت باطنی بھی یہیں ہوتی تھی۔

ان خوش نصیبوں میں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا احمد حسن محدث امروہوی، مولانا عبدالعلی محدث دہلوی، مولانا فخرالحسن گنگوہی۔ مولانا محی الدین مرادآبادی وغیرہ تھے۔

مخصوص شاگرد جس طرح حالت قیام میں حاضر رہتے۔ اور اپنے استاد اور مرشد کی خدمت میں

وقت گذارتے، سفر اور جلسوں میں بھی ساتھ رہتے۔ اور اس طرح اپنے شیخ اور استاد کے رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ اور ایسے فیوض و برکات حاصل کئے کہ ان میں سے ہر ایک کی زندگی جواہرات معنوی سے آراستہ اور سجی ہوئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری شریف کا درس

پنجاب کے علاقہ میں پنجلاسہ میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ راؤ عبدالرحمٰن ان کا نام تھا۔ کشف اس درجہ کا تھا کہ اگر کوئی بچہ کی پیدائش آسان ہونے کے لئے تعویذ لینے آتا تو یہ بھی بتادیتے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی،

لوگوں نے پوچھا، حضرت یہ بات کیسے معلوم ہوجاتی ہے؟

فرمایا۔ جب کوئی تعویذ لینے آتا ہے تو پیدا ہونے والے بچہ کی صورت سامنے آجاتی ہے۔

راؤ عبدالرحمٰن سے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کبھی ملنے جاتے اور مولانا محمد قاسم بھی ملتے۔

ایک دفعہ حضرت نانوتوی نے راؤ صاحب سے دعا کی درخواست کی۔ تو راؤ صاحب بولے :۔

"بھائی تمہارے لئے کیا دعا کروں، میں
نے اپنی آنکھوں سے تمہیں شہنشاہِ
دو جہاں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے سامنے بخاری شریف پڑھتے دیکھا ہے"

حضرت نانوتویؒ کی رگ رگ میں سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رچی ہوئی تھی۔ جب بھی رسول اللہ کا کوئی ذکر کرتا۔ حضرت کا رنگ بدل جاتا اور کانپنے لگتے۔

مولانا منصور علی خاں نے لکھا ہے۔ کہ مولانا حج کو تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ کی طرف چلے تو جس وقت روضہ مطہرہ نظر آیا۔ جوتے اتار دیئے۔ اور ننگے پاؤں چلنے لگے۔ اندھیری رات تھی، پتھریلی اور نوکیلی زمین، مگر حضرت والہانہ چلے جارہے تھے۔ مولانا منصور علی کو بھی پٹھانی کے زور میں طرارہ آیا، اور جوتے اُتار دیئے۔ مگر نکیلی پتھریاں پاؤں میں چبھیں تو دوبارہ پہن لئے۔ مگر حضرت سی طرح چلتے رہے۔ اور رات کے اندھیرے میں

پتھریلی اور نکیلی زمین کے راستہ پر کئی میل چلتے رہے
مولانا منصور نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے پیروں
پر نہ آبلے تھے نہ خون کا اثر تھا۔
یہ محبت کی طاقت تھی، یہ عشق رسول کی طاقت تھی۔
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

دیوبند کے طلباء میں غرور پیدا نہ ہو

مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ، امروہہ کے سادات میں سے تھے بچپن سے ناز و نعمت میں رہے تھے۔ دیوبند گئے اور حضرت نانوتوی کی ہم نشینی میسر آئی تو حضرت کے طور طریق دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

ایک مرتبہ ایک پھٹے حال غریب مزدور جو کسی چھوٹی برادری کا تھا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دعوت کی، ساتھ ہی تمنا ظاہر کی کہ حضرت میرے جھونپڑے پر تشریف لائیں۔ مولانا احمد حسن کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ مگر بول نہ سکے۔ مولانا نانوتوی نے تاڑ لیا کہ اس امیر زادہ سید کو اس غریب کی جو نیچ ذات کا مانا جاتا ہے۔ یہ بات ناگوار ہوئی ہے۔ فرمایا تو کچھ نہیں۔ لیکن اس کے بعد جو کوئی

بھی دعوت کے لئے آنا شرط کر لیتے کہ مولوی احمد حسن امروہوی کو ساتھ لاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا کو کن کن گھروں بد جانا پڑا۔ اسے کون بتا سکتا ہے مگر فائدہ یہ ہوا جیسا کہ خود مولانا احمد حسن نے اقرار کیا ہے کہ دل سے کسی غریب کی دعوت قبول کرنے کی ناگواری نکل گئی۔ اور سمجھ گئے کہ بڑائی اور کمتری ذات کی نہیں عمل کی ہے۔

مولانا احمد حسن خوش لباس بھی تھے۔ اعلیٰ قسم کے جوڑے بدلتے تھے۔ راقم نے ضعیفی میں بھی انھیں بہترین لباس میں دیکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی نے گاڑھے کا تھان پیش کیا۔ حضرت نے درزی کو بلا کر ہدایت کی کہ ایک میرا انگا اور ایک مولانا احمد حسن کا بنا لاؤ۔

دونوں انگرکھے آ گئے تو مولانا نانوتوی نے ایک انگرکھا مولانا احمد حسن کو دے کر فرمایا۔ اسے پہنو۔ انگرکھا مولانا احمد حسن لے کر چلے گئے۔ اور اپنے صندوق میں رکھ دیا۔ کئی دن تو حضرت نے کچھ نہ فرمایا۔ مگر پھر تقاضہ کیا کہ وہ انگرکھا پہنا کیوں نہیں؟ مولانا احمد حسن کو مجبور ہو کر گاڑھے کا انگرکھا پہننا

پڑا - اور اس طرح خوش لباسی کی فوقیت کا مرض مرشد نے دور کرا دیا -

باپ کی اطاعت

مولانا اپنے باپ کے بڑے اطاعت گذار تھے - جس زمانہ میں حضرت کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ تک پہنچ چکی تھی - حضرت کے والد شیخ اسد علی نانوتہ میں رہتے تھے - جب کبھی حضرت وطن تشریف لے جاتے - دستور یہ تھا کہ گھر میں جانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے مسجد میں قیام فرماتے - اور سفر سے گھر پہنچنے پر دوگانہ نفل ادا فرماتے - نانوتہ کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا، تو دوڑ دوڑ کر مسجد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور مزاج پرسی کرتے، ان میں حضرت کے والد شیخ اسد علی بھی ہوتے -

جوں ہی حضرت کی نظر والد صاحب پر پڑتی گھبرا کر لپکتے اور قدم چومنے کی کوشش کرتے، والد صاحب سینہ سے لگا لیتے - سر پر ہاتھ پھیرتے - مولانا بچوں کی طرح کھڑے رہتے اور سر اور کمر پر ہاتھ پھروا لیتے -

حضرت مولانا کو حقہ سے سخت نفرت تھی - اور شیخ اسد علی حقہ

کا شوق کرتے تھے۔ گھر میں جاتے تو پوچھتے۔
باواجی آپ کی چلم میں آگ بھی ہے یا نہیں۔؟
وہ کہتے بڑی دیر سے ٹھنڈا رکھا ہے۔ حقہ
کو اُٹھاتے تازہ کرتے اور باپ کی خدمت میں پیش
کر دیتے تھے۔

حضرت نانوتوی امامت بہت کم کرتے تھے

فرمایا کرتے
تھے، دعوت کا کھانا اور جماعت کی نماز ایسی چیزیں ہیں
جن سے اپنے اوپر بوجھ نہیں پڑتا۔ نہ دعوت کھانے
میں فکر ہوتی ہے نہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں۔ جماعت
میں اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو گئے۔ کچھ خبر نہیں،
کیا ہو گا۔ سب بوجھ امام پر۔
اتفاق سے مجبور ہو جاتے تو امامت فرما لیتے۔
چھتہ کی مسجد میں جہاں حضرت کا قیام تھا۔
امامت کے فرائض مولانا محمد یعقوب کے سپرد تھے۔
ایک دن صبح کی نماز میں مولانا یعقوب کو آنے
میں دیر ہو گئی۔ اور لوگوں نے حضرت کو مجبور کیا
تو نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے۔ پہلی رکعت میں
سورہ حاقہ پڑھی۔ سورۂ حاقہ میں قیامت کی

ہولناکیوں کا ذکر ہے۔ مقتدیوں میں حضرت امیر شاہ
خاں بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب تک حضرت
قرأت فرماتے رہے ایسا معلوم ہوتا رہا کہ حشر
کا میدان سامنے ہے۔ حساب وکتاب شروع
ہوگیا ہے۔ ہر ایک کے اعمال نامے ہاتھوں میں
دیئے جارہے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ سورۂ حاقہ
میں جو مضامین ہیں وہ سب آنکھوں کے سامنے آگئے۔

دیوبند کے مدرسہ سے کچھ نہ لیتے تھے

سچ پوچھو تو دیوبند کا مدرسہ
حضرت ہی کا بنایا ہوا ہے۔ اور جو کچھ اس میں ترقی
اور تعلیم کی خوبی، فیضانِ حدیث اور فقہ کی روشنی
ہے۔ حضرت ہی کی توجہ سے ہے۔ مگر مالی فائدہ
حضرت نے کبھی مدرسہ سے نہیں اٹھایا۔ شروع
شروع ممبرانِ شوریٰ نے درخواست کی کہ حضرت
مدرسہ سے کچھ ماہانہ قبول فرمائیں، مگر انکار فرمادیا۔
احتیاط کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی مدرسہ کے قلم دوات
سے اپنا خط بھی لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسہ
کے خزانے میں داخل کردیتے اور فرماتے کہ یہ
بیت المال کی دوات ہے اس پر تصرف جائز نہیں ہے

گرمی کے زمانہ میں مدرسہ نے ایک سرد خانہ
تیار کیا۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحب نے
عرض کیا کہ سرد خانہ تیار ہو گیا ہے۔ دوپہر کو
آرام فرما لیا کیجئے۔ حضرت نے فرمایا نہیں، یہ
طالب علموں کا حق ہے۔ اور کبھی سرد خانہ میں
آرام نہیں فرمایا۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ جن کا ہم ذکر
کر رہے ہیں۔ بڑے سیدھے سادھے تھے۔ بغیر کرتے
کے ایک انگرکھا پہنے رہتے تھے۔ اور ٹوپی یا پگڑی
استعمال کرتے تھے۔ انھیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں سمجھتا
تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم ہیں۔ فارسی کے عالم،
عربی کے عالم، فقیہ، محدث، فلسفی، اقلیدس اور
حساب کے ماہر۔ دینیات کے اور مناظرہ کے
امام، وہ چاہتے بھی نہ تھے کہ لوگ عالم سمجھ کر ان
کی تعظیم کریں۔ وہ مولوی اور مولانا کے خطاب سے
خوش نہ ہوتے تھے۔ کوئی نام لے کر پکارتا تو
خوش ہو جاتے۔

انھوں نے کوٹھیاں نہیں بنائیں، بڑے بڑے
باغ نہیں لگائے، علاقہ نہیں خریدا، ریشم کے

تکیئے اور گدے نہیں سجائے ۔ مگر ان کا ذکر لوگوں کی زبان پر ہے ۔ ان کا ذکر بڑے بڑے مدرسوں میں ہے ۔ وہ دلوں میں بسے ہوئے ہیں ۔ جو نسلیں آتی ہیں انھیں یاد کرتی ہیں ۔ اور دعائیں دیتی ہیں ۔

تاریخ کی کتابوں میں بادشاہوں کا ذکر ہے ۔ فوج کے جرنیلوں کا ذکر ہے ۔ نامور لوگوں کا ذکر ہے ۔ مگر دلوں میں ان کی یاد نہیں ہے ۔ حضرت مولانا محمد قاسم کی یاد دلوں میں ہے ۔ اور جب تک علم دین کی لگن رکھنے والے باقی رہیں گے، مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کو کوئی بھولے گا نہیں ۔

مولانا کی محبت ایسی ہے کہ برس گزر گئے ان کی یاد باقی ہے ۔ اور یہ یاد ہمیشہ باقی رہے گی ۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ پیدائش	تاریخ وفات
۴۸	۴ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ